ہاجرہ مسرور

(1929ء - 2012ء)

چراغ کی لَو

شام کی بڑھتی ہوئی اداس تاریکی میں سامنے کی ہر چیز آہستہ آہستہ دھندلی پڑتی جارہی تھی۔ اس نے نظریں پھرا پھرا کر بغیر پلستر کی دیواروں کو دیکھنا شروع کیا جو اندھیرے میں ڈوب کر بھیانک ہوتی چلی جارہی تھیں جیسے وہ سیاہ رنگ میں نہا گئی ہوں!..... اندھیرا اور تنہائی! اس کا جی الٹنے لگا تو کھانستی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی..... اسے اپنے باپ کا انتظار تھا جو کام پر سے آکر جانے کہاں چلتا بنا تھا۔

''نہ جانے کہاں بیٹھ رہے ابا؟ یہ خیال نہیں آتا کہ اکیلے گھر میں جی گھبراتا ہوگا میرا۔'' وہ جھنجھلاہٹ میں رہ رہ کر بس یہی سوچ رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ زور زور سے رونے لگے۔ لیکن آنسوؤں کا ذخیرہ جیسے حلق میں اٹک کر رہ گیا تھا۔ اس سے رویا بھی نہ گیا۔

اس نے دوبارہ الجھ کر ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا تو ہر طرف بس یوں نظر آنے لگا جیسے نئے سفید کپڑوں میں لپٹے ہوئے ڈھانچے سامنے کی اندھیری کوٹھڑی سے نکل نکل کر سارے گھر میں گھوم پھر رہے ہوں..... اس کے ذہن پر ان ڈھانچوں کی ہڈیوں کی چیخ اور نئے سفید کپڑوں کی مدھم کھڑکھڑاہٹ اس طرح چھا گئی کہ وہ آنکھیں میچ کر دوبارہ چارپائی پر لڑھک گئی..... بالکل بے حس و حرکت جیسے اس کا دم ہی نکل گیا ہو..... سفید کپڑوں میں لپٹے ہوئے ڈھانچوں کی ہڈیوں کی چیخ اور کپڑوں کی کھڑکھڑاہٹ۔ یہ تو بس اس کا وہم ہی وہم تھا۔ کچھ دنوں سے جسم کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ بھی بہت کمزور ہو گیا تھا۔ رات تو خیر رات ہی تھی۔ وہ دن دوپہر بھی اکثر یہی وہم کرتی..... بس جدھر بھی نظر جما کر دیکھتی یہی لگتا کہ کوئی سفید سفید کپڑوں میں لپٹا چلا آرہا ہے۔ بالکل اسی وضع کے کپڑے جو اس کی ماں کو مرنے کے بعد پہنائے گئے تھے۔ دروازہ مانوس طریقے پر چرمرایا اور پھر کھٹ سے بند ہو گیا اور اس نے کپکپا کر آنکھیں کھول دیں۔ جب کچھ نظر نہ پڑا تو مری ہوئی آواز میں بولی۔

''کون ہے؟''

''میں ہوں اچھن۔'' یہ اس کے باپ کی آواز تھی۔

''کہاں تھے ابا؟ میرا دل اکیلے میں گھبرا رہا تھا۔'' اس نے شکایت کی تو جیسے اس کے حلق میں آنسوؤں کا ذخیرہ دوبارہ پھنس گیا اور آنکھیں تپنے لگیں۔

''ذرا کام سے گیا تھا..... چراغ نہیں جلایا؟'' باپ نے چارپائی کے پائے سے ٹھوکر کھائی تو جھلا کر پوچھا اور اپنی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''دیا سلائی نہیں تھی۔''

''یہ لو دیا سلائی۔'' باپ نے جیب سے دیا سلائی نکال کر ایک بیڑی سلگائی تو دیا سلائی کی روشنی میں اس کا چہرہ بڑا وحشت زدہ

سا نظر آیا۔ الجھی ہوئی کھچڑی ڈاڑھی، ہونٹوں پر اوندھی ہوئی مونچھیں، لکیروں سے پٹی ہوئی پیشانی اور ابلی ہوئی آنکھیں..... تیلی جل کر ایک ننھی سی سرخ کمان کی طرح خم کھا گئی اور چرمراتی ہوئی بیڑی کا دھواں چھوٹے سے آنگن میں پھیل گیا۔

''اوں..... نہہ اوں'' وہ کانکھتی ہوئی پٹی پر زور دے کر اٹھ بیٹھی۔ بیڑی کے دھویں سے اس کا جی متلا رہا تھا۔

''کیسا جی ہے اچھن؟'' باپ نے بیڑی کا ایک طویل کش لیا تو ہلکی سی سرخ روشنی میں اس کی ابلی ہوئی آنکھیں چمک گئیں۔

''بیڑی نہ پیوا با!..... اس کے دھویں سے میرا جی الٹتا ہے'' اور وہ اپنے بخار سے بھاری سر کو کندھوں پر جھکا جھکا کر بیزاری سے کانکھنے لگی۔

باپ کو غصہ آ گیا۔ کتنی دیر بعد تو اس نے بیڑی سلگائی تھی۔ جب سے بیڑی کا بنڈل چھ پیسے کا ہو گیا تھا وہ تمام دن اور رات میں صرف چار بیڑیاں پیتا۔ مارے طلب کے جماہیوں پر جماہیاں آتیں۔ لیکن اپنا جی مارتا اور اس وقت بیٹی نے حکم لگا دیا کہ نہ پیو۔

''تیرا جی تو ہر بات میں الٹا کرتا ہے..... کچھ دماغ چل گیا ہے تیرا؟'' باپ نے تیز آواز میں کہا اور اچھن بغیر کچھ جواب دیے اٹھی اور دیا سلائی کی ڈبیا لے کر دالان میں رینگ گئی۔

گھر کی سنسان تاریکی میں دیا سلائی کے رگڑنے کی آواز گونجی اور سیاہ طاق میں رکھے ہوئے چراغ پر مدھم سی لو چمکنے لگی..... بوسیدہ دالان کے ستون کا سایہ چھوٹے سے آنگن سے گزر کر سامنے کی دیوار تک چڑھ گیا تو اچھن نے دیا سلائی کی ڈبیا مٹھی میں دبا کر اپنا سر طاق کے برابر ٹیک دیا اور پتلیاں پھرا کر چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی لو کو دیکھنے لگی۔

باپ نے بیڑی چارپائی کی پٹی پر رگڑ کر بجھا دی اور اسے دوبارہ پینے کے خیال سے اپنے کان پر جما کر اچھن کی طرف دیکھا تو اسے جیسے دھچکا سا لگا۔ اندھیرے میں پناہ ڈھونڈتی ہوئی روشنی میں وہ اس طرح کھڑی ہوئی بڑی بھیانک لگ رہی تھی ہڈیوں پر منڈھی ہوئی سیاہ کھال الجھے الجھائے جھونجھ ایسے بال، کھلے ہوئے ہونٹ اور پھری ہوئی پتلیاں..... بس جیسے وہ دیوار سے ٹک کر مر گئی ہو۔

ابھی دوسرا ہی سال تو تھا کہ باپ نے اچھن کی ماں کو بالکل اسی حالت میں بستر پر پڑے دیکھا تھا۔ کھلے ہوئے ہونٹ اور پھری پتلیاں..... یہ دیکھ کر وہ بجائے رونے دھونے کے گزوں نئے کپڑے کے پھیر میں پڑ گیا تھا۔ چیتھڑوں گدڑوں پر پڑا ہوا غریب عورت کا بے جان جسم..... اسے دنیا کے قاعدے کے بموجب کفن چاہیے تھا۔ گزوں نیا، تھان پر سے اُتارا ہوا کپڑا..... چاہے وہ زندگی میں ایک عرصے سے چھالیٹن کے ایک گھیر کھارو الے پاجامے کو ترستی ہی رہی ہو مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟..... غریبوں کو امیروں کی برابری کرنے کا بس ایک ہی موقع ملتا ہے دنیا میں اور وہ مرنے کے بعد صرف کفن لینے کے بارے میں۔ آہا! اصل بات تو یہ ہے کہ غریب پیدا ہی اس لیے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد امیروں کی برابری کر لیں..... تو اچھن کی ماں کے لیے کفن چاہیے تھا اور اس کے لیے اچھن کا باپ انتہائی فکر مند تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اچھن کی ماں زندگی میں ہر ایک کے سامنے لیرے لیرے کپڑوں میں پھری تھی۔ اس کا یہ مطلب تھوڑی تھا کہ وہ قبر میں بھی یوں رکھ دی جاتی اس لیے اس نے جان پہچان والوں کے دروازے کھٹکھٹائے۔

ادھر اُدھر بہت دوڑا بے چارہ لیکن کہیں سے بھی اتنے روپے کا انتظام نہ ہو سکا کہ کفن خریدا جا سکتا۔ انتظام ہوتا بھی کیسے؟ اس کی جان پہچان والے ہی کون سے دو وقت پیٹ بھر کھانے والوں میں سے تھے؟ آخر وہ سب کی طرف سے مایوس ہو کر اپنے مالک کے پاس گیا۔ جن کی دکان پر وہ دس روپے مہینے کے عوض صبح سے شام تک حساب کتاب لکھا کرتا تھا۔

اس نے اپنی الجھی ہوئی میلی ڈاڑھی کو آنسوؤں سے بھگو کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا کہ مالک! میرے گھر میں بے کفن کی لاش پڑی ہے کچھ قرض.....اور مالک نے بات کاٹ کر نرم لہجے میں جواب دیا۔ ''منشی جی! یہ اللہ کے گھر کا کام ہے، قرض نہیں لو۔ یہ روپے، ادا کرنے کی فکر نہ کرنا'' تاجر مالک نے پچیس روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

روٹیوں کو ترستی، کپڑے کو بلکتی اور حکیم صاحب کا نسخہ پینے کو سسکتی ہوئی اچھن کی ماں ایک دم پچیس روپے کا خرچ کروا کے زمین میں جا چھپی.....

''اور اب.....اب اچھن''.....باپ فکر مند آنکھوں سے اچھن کو تک رہا تھا جواب تک بے حس و حرکت دیوار سے سر ٹیکے چراغ کی مدھم لو کو پتلیاں پھرائے تکے جا رہی تھی۔

ماں کے مرنے کے بعد سے اسے بھی نہ جانے کیا ہوتا جا رہا تھا۔ بس گھلتی ہی چلی جا رہی تھی۔ وہی ماں کی سی ٹھسکے دار کھانسی اور ہلکا ہلکا بخار.....اِدھر پڑی ہے، اُدھر پڑی ہے۔ باپ غریب اس کی حالت کو سمجھتا تو خوب مگر وہ علاج کیا خاک کرتا۔ زیادہ سے زیادہ وہی خیراتی ہسپتال کی دوائیں، جن میں دوا تو برائے نام تھی ہاں پانی ہی پانی ہوتا.....سرکاری ہسپتال میں دی جانے والی دوائیں الٹا نقصان ہی کرتیں.....وہ جب اچھن کی ماں کے لیے کچھ نہ کر سکا تو اچھن کے لیے کہاں سے ڈاکٹر پکڑ لاتا.....پہلے بھی دس روپے پاتا تھا اور اب بھی۔ ہاں روپے کی قیمت بازار میں پہلے سے کہیں زیادہ گھٹ گئی تھی۔ جب اچھن کی ماں مری تھی تو بازار میں آٹا چار سیر روپے کا مل جاتا تھا اور اب ڈھائی روپے سیر بھی مشکل سے ملتا۔ ہر چیز مہنگائی کی انتہا کو پہنچ چکی تھی لیکن دکان کا پرانا منشی اتنا ہی سستا تھا جتنا بیس سال پہلے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے لڑائی شروع ہونے سے قبل جو چیزیں دو پیسے کو لے کر دکان میں بھری گئی تھیں وہ لڑائی شروع ہوتے ہی مہنگی ہوتی گئیں یہاں تک کہ دو پیسے کی چیز نے آٹھ دس گنا نفع دیا، گویا چیزیں جیسے جیسے پرانی ہوتی گئیں ویسے ویسے قیمتی بھی لیکن اس پرانے منشی کے دس روپے کی قیمت بازار میں گھٹتی ہی چلی گئی.....دکان میں ہن برس رہا تھا۔ مالک کے نام پر بینک میں سونے چاندی کے پہاڑ کھڑے ہو رہے تھے تو اسے کیا۔ وہی مثل کہ بی بی عید آئی۔ جواب ملا۔ دور موئی تجھے اپنی ٹکیا روٹی سے مطلب.....اسے تو جیسے اپنے دس روپوں کے سائے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ جہاں ضروریات زندگی کی قیمتوں کا دائرہ روز بروز تنگ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے سنا کہ مل مزدوروں نے مہنگائی بھتہ لینا شروع کر دیا۔ کسانوں کی بن آئی۔ معمولی دکانوں کے ملازموں کی تنخواہوں میں بھی اضافہ ہو گیا اور یہاں تک کہ بوجھ اٹھانے والوں نے بھی اپنی مزدوری بڑھا دی تو اس کے دل میں بھی امنگ اٹھی کہ مالک سے صاف کہہ دے کہ میری تنخواہ بڑھاؤ.....

لیکن شاید مالک نے اس کا خیال بھانپ کر پہلے ہی سے ہر وقت سنانا شروع کر دیا کہ منشی جی بڑھاپے سے تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اب گھر بیٹھو نوکری چھوڑ کر۔ یہ دیکھو تم نے حساب میں اتنی اتنی رقم ابھی تک نہیں جوڑی مجھے منشیوں کی کمی نہیں۔ میں تو تمھارے

پرانے ہونے کا خیال کرتا ہوں۔ سمجھے.....'' آئے دن یہ سن سن کر اس کا جی سوکھتا کہ کہیں ان دس روپوں کے بھی لالے نہ پڑ جائیں اور وہ اس دن کو کوستا جب اس کے دل میں تنخواہ بڑھوانے کا منحوس خیال آیا تھا..... اچھن سوکھتی جا رہی تھی، اس کے لیے وہ انتہائی فکرمند تھا۔ پاس پڑوس والے کہتے کہ منشی جی! جب لونڈیا کو کھلا پہنا نہیں سکتے بیمار ہے تو کوڑی کی دوا نہیں دے سکتے تو اسے اپنے گھر بار کا کر دو..... کھائے پہنے گی تو آپ ہی اچھی ہو جاوے گی۔ لیکن مشورہ دینے والے جیسے یہ سوچتے ہی نہ تھے کہ غریب کی لڑکی غریب ہی کے گھر جائے گی، کسی دس بارہ روپے پانے والے کی عورت کیا پہنے گی اور کیا کھائے گی۔ آخر اچھن کی ماں بھی تو شوہر والی تھی کون سا سکھ اُٹھا لیا غریب نے؟

اچھن کو اس قدر عجیب طریقے سے کھڑے دیکھ کر باپ کی طبیعت الجھتی ہی چلی جا رہی تھی..... اچانک اسے خیال آیا کہ کہیں وہ اس کے بیڑی پینے کے بارے میں تو اتنی رنجیدہ نہیں ہو گئی۔

''اچھن! اس طرح کیوں کھڑی ہے؟ اب میں بیڑی نہیں پیوں گا۔''

''کچھ نہیں ابا''..... اس نے دیوار سے سر اٹھا کر غور سے باپ کی طرف دیکھا۔ ''میں سوچ رہی تھی کہ چراغ کی لو بڑھا دوں ذرا۔'' اس کے لہجے میں بڑی آرزو اور خوشامد تھی۔

لیکن یہ سن کر باپ پر سے جیسے بھاری بوجھ ہٹ گیا۔ اتنی معمولی سی بات تھی جس کے لیے وہ اتنی دیر سے یوں کھڑی تھی۔ اس نے سوچا سچ مچ اچھن کا دماغ چل گیا ہے۔ اندھیرے کو روشنی میں تبدیل کرنے کا خیال اس کے نزدیک پاگل پن تھا۔ مگر آخر کیوں؟

اس نے کہا۔

''جانتی ہے کہ اٹھواروں میں کہیں دو پیسے کا مٹی کا تیل نصیب ہوتا ہے اس پر بھی بھیڑ بھاڑ میں پیروں کا قیمہ بنتا ہے، کپڑے پھٹتے ہیں..... کب سے کہہ رہا ہوں کہ تیل پر کنٹرول ہے اور تُو ہے کہ روز روز لو بڑھانے کی ضد کیا کرتی ہے۔''

''تو کیا فائدہ ایسے اُجالے سے۔ دکاندار اتنا تیل بھی نہ دیا کرے۔ اس سے تو اندھیرا پڑا رہے۔ نام تو نہ ہو چراغ جلنے کا۔'' اس کی آنکھوں میں چمکتی ہوئی آرزو کے ننھے ننھے دیے اچانک بجھ گئے۔

''فائدہ وائدہ کچھ نہیں معلوم مجھے۔ بس اتنا ہی تیل ملے گا کہ چراغ جلتا رہے۔'' باپ کی آواز تیز ہو گئی جیسے اس احساس نے اسے غصہ دلا دیا ہو۔

''چاہے روشنی نہ ہو۔'' اس کے ہونٹ پھڑک اٹھے۔

''ہاں۔'' باپ کا جواب گھر کی سنسان نیم تاریکی کو اور بھی تاریک کر گیا۔

''میرا تو جی الٹتا ہے ایسے اجالے سے۔'' اس نے مردہ سی آواز میں کہا لیکن باپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جیسے وہ بیٹی کے بات بات میں جی گھبرانے سے ناراض ہو گیا ہو.....

وہ مایوس ہو کر لڑکھڑاتی ہوئی دالان سے نکل آئی اور اپنی چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے ابا پر غصہ آ رہا تھا کہ آخر وہ اس برائے نام روشنی پر قناعت کیوں کرتے ہیں؟ مٹی کا تیل اسے روزانہ کیوں نہیں ملتا؟ جب کہ گلی کے نکڑ والے خوبصورت دو منزلہ گھر میں تمام رات بڑی بڑی لالٹینوں کی روشنی ہوتی رہتی ہے..... لیکن اس کا جھنجھلایا ہوا دماغ یہ سوچ ہی نہ سکا کہ اگر تیل لڑے بھڑے ملنے بھی لگے تو اس مد کے لیے دو پیسے روز کس کے گھر سے آئیں گے جب کہ اس کے باپ کو سخت محنت کی قیمت صرف اتنی ہی ملتی ہے کہ وہ جیے تو کیا ہاں جینے کی بھونڈی سی نقل اتارتا رہے۔ بالکل اس طرح جیسے سیاہ طاق میں رکھا ہوا چراغ..... جس کی مدھم روشنی پر چاروں طرف سے اندھیرا امنڈ رہا تھا.....

اچھن پیچ و تاب کھاتی اپنی چارپائی پر لڑھک گئی۔ اس کا جی گھبرا رہا تھا اور ہر طرف سے سفید نئے کپڑوں کی کھڑکھڑاہٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ زور زور سے رو کر اپنے ابا کی قناعت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹے..... لیکن اس سے رویا بھی نہ گیا۔ آنسوؤں کا ذخیرہ تو جیسے حلق میں ہی پھنس کر رہ گیا تھا۔

(سب افسانے میرے)

مشق

1- افسانہ ''چراغ کی لو'' کا متن مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں:

i- اچھن کس بیماری میں مبتلا تھی؟

ii- اچھن کا باپ کیا کام کرتا تھا؟

iii- دکان کے مالک نے منشی جی کو روپے کیوں دے دیے؟

iv- اچھن کے لہجے میں کس بات کی آرزو اور خوشامد تھی؟

v- اچھن کے ابا نے یہ کیوں کہا کہ میں بیڑی نہیں پیوں گا؟

vi- اس افسانے میں ہمارے کس معاشرتی رویے پر تنقید کی گئی ہے؟

2- افسانہ ''چراغ کی لو'' کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

3- افسانہ ''چراغ کی لو'' کا خلاصہ لکھیں۔

4- ''سرمایۂ اردو'' میں شامل افسانوں میں سے آپ کو کون سا افسانہ اچھا لگا اور کیوں؟ اپنے ٹیوٹوریل پیریڈ میں وضاحت کریں۔